اقبال اور حسرت

علیم صدیقی

۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان میں ایک ملّی تحریک نے جنم لیا اور ادب نے بھی ایک نئی کروٹ لی ۔ سر سید اور ان کے رفقائے کار نے اپنے عالمانہ اور ناصحانہ مضامین کے ذریعے قوم میں ایک نئی روح پھونکی ۔ اُردو شاعری میں مولانا حالی نے ایک نئے طرز کی بنیاد ڈالی اور غزل سے زیادہ ان کی توجہ نظم کی جانب مبذول ہوئی ۔ حالی کے بعد علامہ اقبال نے تو اپنی شاعری میں نظم ہی کو اظہارِ خیالات کا ذریعہ بنایا اور اگر علامہ کے ہاں غزلیات ملتی بھی ہیں تو ان میں بھی نظم کا رنگ اور انداز زیادہ نمایاں ہے ۔ لیکن اس زمانے میں جب بیشتر شعرا کی توجہ غزل سے کنارہ کش ہو رہی تھی ، ہمیں ایک نئی آواز سنائی دیتی ہے اور یہ آواز حسرت کی تھی ۔ حسرت نے غزل کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا دیا ۔ اُردو غزل شمع و پروانہ ، گل و بلبل ، ہجر و وصال ، چوما چاٹی اور دوسرے عامیانہ خیالات کی وجہ سے فرسودہ خیالات کی آماج گاہ بن چکی تھی ۔ حسرت نے ایک منفرد انداز کے ذریعے اس میں ایک نئی جان ڈالی ۔ حسرت نے قدیم رنگ کو خیر باد نہیں کہا ، اس کی قدیم روایت سے بغاوت نہیں کی ، محبت کے رخ کے تعین کو نہیں بدلا لیکن ایک نیا لہجہ عطا کیا جس میں تہذیب اور پرانی اقدار پر حرف نہیں آیا ۔ تنقید میں درجہ بندی کا فیشن بن چکا ہے ۔ عظمت اور بڑائی کے پیمانے مقرر کیے گئے ہیں ۔ کہیں شاعر کو عرشِ معلیٰ پر پہنچا دیا گیا اور کسی کو وہ مقام نہیں بخشا گیا جس کا وہ مستحق تھا ۔ تنقید کا اصل منصب جذباتیت اور شخصی لگاؤ سے برتر و بالا ہونا چاہیے اور تب ہی ہم کسی شاعر یا ادیب کو صحیح طریقے سے جانچ کر اس کا مقام متعین کر سکتے ہیں ۔

اقبال اور حسرت بیسویں صدی کی شاعری میں ممتاز و منفرد مقام رکھتے ہیں ۔ اقبال نے اُردو نظم کے ذریعے اظہارِ خیال کو اپنایا اور حسرت نے اُردو غزل کو قدیم و جدید رنگ کے ایک حسین امتزاج سے رفعت و عظمت

بخشی ۔ اقبال اور حسرت کی شاعری کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ہمیں بہت ساری مماثلتیں ملتی ہیں ۔ اس مضمون میں ہم نے زیادہ تر اُن ہی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا ہے جہاں ان دونوں حضرات میں خیالات اور اظہار کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔

اقبال اور حسرت نے جس ماحول میں تعلیم کی ابتدا کی اور جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا اس کے اثرات ان کی پوری زندگی پر کارفرما رہے ۔ اقبال کو مولوی میر حسن جیسے جید عالم سے استفادہ کا موقع ملا اور فارسی و عربی کا صحیح مذاق اور ہر دو زبانوں پر دسترس ان کی تعلیم کی رہینِ منت ہے ۔ حسرت نے بھی اپنی ابتدائی تعلیم موہان اور فتح پور میں حاصل کی جہاں مولانا ظہور الاسلام ، مولانا نور محمد اور محمد امیر خاں جیسے فاضل اساتذہ نے علومِ مشرقی میں حسرت کی رہنمائی کی اور ان میں فارسی و عربی کا صحیح مذاق پیدا کیا ۔ اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ۔ اے کا امتحان درجہ دوم میں پاس کیا لیکن عربی میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور طلائی تمغے کے مستحق قرار پائے ۔ اس کے بعد آرنلڈ جیسے مشہور اسکالر کی شاگردی میں اُنھوں نے فلسفے میں ایم ۔ اے کا امتحان پاس کیا ۔ پروفیسر آرنلڈ کی شاگردی نے ان میں اعلیٰ تعلیم کا جذبہ پیدا کیا اور وہ جلد ہی انگلستان تشریف لے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی کے نامور اساتذہ ڈاکٹر نکلسن ، میک ٹیگرٹ اور پروفیسر وارڈ سے استفادہ کیا ۔ فلسفے کا شوق بعد میں انھیں جرمنی لے گیا اور وہاں سے اقبال نے فلسفے میں پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔ حسرت ابتدائی تعلیم کے اختتام کے بعد علی گڑھ تشریف لے گئے اور ، بقول ان کے پروفیسر چکرورتی ، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد ، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں ، نواب محسن الملک ، نواب وقار الملک اور نواب حاجی اسحاق خاں ان کی تعلیم میں ممد و معاون ثابت ہوئے اور ان کی صلاحیتوں کو جِلا ملی ۔ ۱۹۰۳ میں اُنھوں نے علی گڑھ کالج سے عربی اور ریاضی کے ساتھ بی ۔ اے کیا اور اس کے فوری بعد تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا ، کیونکہ انھوں نے اسی سال سے سیاسی مضامین لکھنے شروع کیے اور ۱۹۰۴ سے عملی سیاست میں داخل ہوگئے ۔

موجودہ صدی میں جن شعرا نے شاعری کے ساتھ ساتھ سیاست کے

میدانِ خار زار میں قدم رکھا ان میں علامہ اقبال ، حسرت اور مولانا ظفر علی خاں کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔ علامہ اقبال نے جو ایک عظیم شاعر اور خاموش فلسفی تھے کئی سال اپنے آپ کو سیاست سے بچائے رکھا لیکن ان کے دل میں اہلِ ہند سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً جو بے پناہ محبت تھی انھیں اپنی افتادِ طبع اور دوسروں کے اصرار پر میدانِ سیاست میں کھینچ لائی ۔ چنانچہ ۱۹۲۶ میں وہ لاہور کے حلقۂ انتخاب سے کونسل کی ممبری کے لیے کھڑے ہوئے اور اکثریت سے کامیابی حاصل کی ۔ اس کے بعد اَن تھک محنت اور بے لوث خدمت کی بنا پر مسلمانانِ ہند کی نظر میں اس قدر مقبول ہوئے کہ دسمبر ۱۹۳۰ میں مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد کے صدر منتخب ہوئے اور اپنے عالمانہ خطبۂ صدارت میں انھوں نے مسلمانانِ ہند کے لیے ایک علیحدہ وطن پاکستان کا نظریہ پیش کیا جو سترہ سال بعد یعنی ۱۹۴۷ میں حقیقت میں بدل گیا ۔ علامہ اقبال ، محمد علی جناح کی طرح ، دستوری جد و جہد پر ایمان رکھتے تھے ۔ اس لیے انھیں ایک دن بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت نہیں کرنی پڑیں ۔

حسرت سیاست اور شاعری میں یکساں دلچسپی رکھتے تھے ۔ انھوں نے مشقِ سخن کے ساتھ ساتھ چکی کی مشقت بھی جاری رکھی تھی اور ساری عمر اس بُلبلِ ہزار داستان نے سیاست کے میدانِ خار زار میں اپنے نغمے الاپے ۔ ۱۹۰۳ میں حسرت نے ''اردوئے معلیٰ'' نامی رسالہ جاری کیا اور ادبی مضامین کے ساتھ ساتھ سیاسی مضامین بھی شائع کروائے ۔ ۱۹۰۸ تک یہ رسالہ چلتا رہا لیکن ایک سیاسی مضمون کی بنا پر جس میں حکمرانِ وقت پر کڑی تنقید کی گئی تھی حسرت کو دو سال قید کی سزا ہوئی اور حسرت نے نہایت خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کیا ۔ اس کے بعد حسرت نے مولانا محمد علی جوہر ، مولانا شوکت علی ، مولانا ظفر علی خاں کے ساتھ مل کر تحریکِ احرار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی فہم و فراست کا سکہ منوایا ۔ دوسری اہم تحریک تحریکِ خلافت تھی اور اس میں جملہ سیاسی پارٹیوں نے متحد ہو کر حصہ لیا ۔ حسرت نے بھی اس میں بھرپور شرکت کی اور ۱۹۱۶ میں قید کر دیے گئے ۔ اس قید کے دوران حسرت نے جس ہمت اور بردباری کا مظاہرہ کیا وہ ان کے مضبوط عقیدے

کی ایک قابلِ تقلید مثال ہے ۔ گاندھی جی کی رفاقت میں ترکِ موالات کی تحریک زور شور سے اُٹھی تو اس میں بھی حسرت نے حکومت کے خلاف اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں لیکن بعد میں گاندھی کی نیت کو بھانپا اور اس سے الگ ہو گئے ۔ مولانا آزاد سبحانی اور حسرت نے مل کر ایک نئی سیاسی پارٹی بنائی لیکن وہ بھی نہ چل سکی اور آخرکار حسرت نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور مجلسِ عاملہ کے رکن کی حیثیت سے مسلم لیگ کی پالیسیوں کے وضع کرنے میں ہمیشہ ایک اہم کردار ادا کیا ۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد حسرت نے ہندوستان نہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مجبور و بے کس مسلمانوں کی قیادت اور ترجمانی کا حق ادا کریں ۔ پارلیمنٹ کے ممبر کی حیثیت سے انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی نہایت جرأت و استقامت سے خدمت کی اور کئی مرتبہ ہندو لیڈروں کو ان کی بات ماننی پڑی ۔

اقبال مذہبِ اسلام کے سچے مقلد تھے ۔ انھیں اپنے مذہب سے پیار اور رسولؐ سے عشق تھا ۔ رسولؐ کے اس عاشقِ صادق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس محفل میں بھی تذکرۂ رسولؐ ہوتا تھا اقبال فرطِ محبت اور جوشِ عقیدت سے آبدیدہ ہو جاتے تھے ۔ اقبال کے اشعار ، خطبات اور مکاتیب میں جابجا ذکرِ رسولؐ ملتا ہے اور ہر جگہ اقبال اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں ۔ اقبال پیغمبرِ اسلامؐ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں ایک خطبے میں یوں گویا ہوتے ہیں : ''پیغمبرِ اسلام صلعم کی ذاتِ گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم و جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے ۔ بہ اعتبار اپنے سرچشمہ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے ، لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے ۔ یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے ۔''[1] ایک اور جگہ حضورؐ کی شان میں یوں رطب اللسان ہوئے ہیں : ''میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی

۱۔ سید نذیر نیازی ، مترجم ، (اقبال) ، ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامی'' ، (لاہور : بزم اقبال ، ۱۹۵۸) ، ص ۱۹۲ ۔

اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح ان کے زمانے میں ہوا کرتے تھے'' ۔ شمعِ رسالت کے اس پروانے نے بارگاہِ الٰہی میں جب ''شکوہ'' پیش کیا اور مسلمانوں کی حالتِ زار کی نشان دہی کی تو کس عقیدت اور محبت سے مقامِ رسولؐ کو خدا کی جانب سے بطور ''جوابِ شکوہ'' متعین کیا :

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

''بالِ جبریل'' اور ''اسرار و رموز'' میں بھی کئی مقامات پر حضورؐ کی ذات کو دینی و دنیوی مسائل میں جزو لاینفک قرار دیا ۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے :

لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب !
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب !
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب !

* * *

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل ، غیاب و جستجو ! عشق ، حضور و اضطراب !

* * *

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ ! عقل تمام بولہب ![۲]

* * *

در نگاہ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست[۳]

* * *

۲- بالِ جبریل'' (کلیات اردو) ، ص ۴۰۵ - ۴۰۶ -
۳- ''اسرار خودی'' (کلیات) ص ۱۹ ؛ ''جاوید نامہ'' (کلیات فارسی) ، ص ۶۴۳ -

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں ، وہی یٰسیں ، وہی طاہا ![۴]

* * *

از رسالت در جہاں تکوینِ ما | از رسالت دینِ ما آئینِ ما
از رسالت صد ہزارِ ما یک است | جزوِ ما از جزوِ ما لاینفک است

* * *

ما ز حکمِ نسبتِ او ملتیم | اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم[۵]

اقبال ساری عمر حضورؐ کی ذاتِ والا صفات کے گن گاتے رہے ، لیکن بدقسمتی سے وہ حج بیت اللہ سے مشرف نہ ہو سکے اور زیارتِ روضۂ نبوی سے محروم رہے ۔

حسرت کو بھی رسولِ پاکؐ کی ذات سے بے انتہا لگاؤ اور عشق تھا ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :

مدینہ چلوں کیوں نہ ہر سال حسرت
بلائیں جو خود تاجدارِ مدینہ

حسرت نے اپنی زندگی میں کوئی تیرہ حج کیے اور چودہ مرتبہ مدینہ منورہ میں حاضری دی ۔ مالی مشکلات کے باوجود اپنی پہلی اور دوسری اہلیہ کو بھی کئی بار اپنے ساتھ حج پر لے گئے ۔ حضورؐ سے بے پناہ عشق اور وابستگی کا اندازہ حسب ذیل اشعار سے لگایا جا سکتا ہے :

فنا ہے بقا مسلکِ عاشقی میں | اگر رونما ہو دیارِ نبی میں

* * *

پھر آنے لگیں شہرِ محبت کی ہوائیں
پھر پیشِ نظر ہوگئیں جنت کی فضائیں
اے قافلے والو کہیں وہ گنبدِ خضرا
پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں

* * *

۴۔ ''بالِ جبریل'' (کلیاتِ اُردو) ، ص ۳۱۷ ۔
۵۔ ''اسرارِ خودی'' (کلیاتِ فارسی) ، ص ۱۰۱ ۔

مظہرِ شانِ کبریا صلی علیٰ محمدؐ
آئینۂ خدا نما صلی علیٰ محمدؐ
موجبِ نازِ عارفاں باعثِ فخرِ صادقاں
سرور و خیرِ انبیاء صلی علیٰ محمدؐ
مرکزِ عشقِ دلکشا مصدرِ حسنِ جاں فزا
صورتِ سیرتِ خدا صلی علیٰ محمدؐ
حسرت اگر کرے ہے تو بخششِ حق کی آرزو
وردِ زباں رہے سدا صلی علیٰ محمدؐ

* * *

سلام علیک اے جوارِ مدینہ جوارِ سراپا بہارِ مدینہ
مشامِ تمنا میں خوشبوئے جنت پھرے لے کے ہم یادگارِ مدینہ

اقبال اور حسرت میں ایک اور قدرِ مشترک تھی جو کسی صورت نظر انداز نہیں کی جا سکتی ، اور وہ تھی سوشلزم اور کمیونزم سے ذہنی قربت ۔ اقبال اور حسرت اوّل اور آخر مسلمان تھے ۔ انہیں اپنے مذہب سے قلبی و ذہنی لگاؤ تھا ، لیکن ساتھ ساتھ سوشلزم اور اشتراکیت میں بھی انہیں وہ خوبیاں نظر آئیں جو انسانی مسائل کے سلجھانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں اور جن کا تعلق مذہب سے زیادہ سماجی انصاف سے تھا ۔ روس اور اشتراکیت کا ذکر علامہ کے ہاں متعدد مقامات پر ملتا ہے ۔ اقبال سرمایہ دار کے مخالف اور مزدور کے حامی تھے ۔ چنانچہ اپنی نظم میں غریبوں کو جگانے اور کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دینے کا درس دیتے ہیں اور ساتھ ہی وہ ہر خوشۂ گندم کو جلا دینے کی ترغیب دیتے ہیں جس سے غریب کسان کو روزی میسر نہ ہو ۔ اقبال نے لینن اور مارکس کی کئی مقامات پر تعریف کی ہے اور اس حد تک کہ مارکس کو کلیمِ بے تجلی اور مسیحِ بے صلیب کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ ''جاوید نامہ'' میں مارکس کی ذات اور اس کے پیغام کا کس خوب صورتی سے تجزیہ کرتے ہیں :

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل
ز آنکہ حق و باطلِ او مضمر است 'قلبِ او مومن دماغش کافر است'

* * *

دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس بر مساواتِ شکم دارد اساس[۶]

ایک اور مقام پر کارل مارکس کی شہرہ آفاق کتاب کی تعریف کرتے ہوئے اپنا خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں : ''نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب'' ۔

۱۹۱۷ میں لینن کی قیادت میں جب انقلابِ روس ظہور پذیر ہوا تو اقبال اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے اور یوں گویا ہوئے :

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں ! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک !
توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
دوریٔ جنت سے روتی چشمِ آدم کب تلک
باغبانِ چارہ فرما سے یہ کہتی ہے بہار
زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مرہم کب تلک ؟[۷]

اقبال کمیونسٹ تھے نہ سوشلسٹ ، لیکن انھوں نے ہر جگہ سرمایہ داری کی مخالفت اور مزدور کی ہم نوائی کی ۔ اشتراکیت سے ان کی ذہنی قربت ضرور نظر آتی ہے ، لیکن ان کا دل و دماغ اسلام اور اس کی تعلیمات سے منور اور مالا مال تھا ۔

حسرت نے ایک سیاسی طبیعت پائی تھی ۔ اُنھوں نے ملک کی سیاست میں بھرپور حصہ لیا ۔ کانگریس سے ناطہ جوڑا ، کمیونزم کا پرچار کیا ، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترک موالات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ، سودیشی تحریک کو اپنایا ، مسلم لیگ سے وابستہ رہے لیکن کہیں بھی ثابت قدم نہ رہے ۔ ان میں وہ سیاسی سوجھ بوجھ نہ تھی جو اقبال کی طبیعت کا خاصہ تھی ۔ ان میں غیر معمولی سادگی تھی اور جذباتیت کا پلا بھاری تھا جس کی وجہ سے سیاست کی گہرائیوں میں نہ پہنچ سکے ۔ سیاست کے میدان میں

۶- ''جاوید نامہ'' (کلیاتِ فارسی) ، ص ۶۵۲ ۔
۷- ''بانگِ درا'' (کلیاتِ اُردو) ، ص ۲۶۳ ۔

قربانیاں دیں ، جیل کی صعوبتیں برداشت کیں ، لیکن کوئی نمایاں مقام نہ پیدا کر سکے جس کے وہ مستحق تھے ۔ حسرت ایک دردمند دل رکھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب روس میں انقلاب آیا تو حسرت اس سے بہت متاثر ہوئے اور کمیونزم کے گن گانے لگے ۔ ۱۹۲۵ میں انڈین کمیونسٹ پارٹی کا کانپور میں اجلاس ہوا اور حسرت نے اس اجلاس کی صدارت کی ۔ اپنے خطبے میں کمیونزم کے فائدے گنوائے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سرمایہ داری کی حوصلہ شکنی میں اسلام کمیونزم سے بھی زیادہ سخت ہے ، اس لیے اس کی مخالفت بجا نہیں ۔ اس سلسلے میں ان کے چند اشعار پیش خدمت ہیں :

درویشی و انقلاب مسلک ہے مرا
صوفی مومن ہوں اشتراکی مسلم
دستور کے اصولِ مسلم ٹھہر چکے
شاہی بھی رام غلبۂ جمہور ہو چکی
سرمایہ دار خوف سے لرزاں ہیں کیوں نہ ہوں
معلوم سب کو قوتِ مزدور ہو چکی
گاندھی کی طرح بیٹھ کے کیوں کاتیں چرخہ ہم
لینن کی طرح دیں گے نہ دنیا کو ہلا ہم

• • •

معیشت میں بہر سو رنگِ فطرت ہے جہاں میں ہوں
اخوت ہے جہاں میں ہوں سویت ہے جہاں میں ہوں

• • •

ہدایت کا زمانہ تشنہ تھا اہلِ سویت نے
دکھائی سب کو راہِ حریت بے خوف دیں ہو کر

• • •

لازم ہے یہاں غلبۂ آئینِ سویت
وہ ایک برس میں ہو کہ دس بیس برس میں

حسرت ایک باعمل اشتراکی مسلم تھے ۔ اُنھوں نے ہمیشہ سادہ کھانا کھایا ، بہت ہی معمولی کپڑا زیبِ تن کیا ، سر پر میلی ٹوپی اوڑھی ،

ساری عمر تیسرے درجے میں سفر کیا ، لیکن قوم کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ۔ حسرت اکثر کہا کرتے تھے کہ کمیونزم آگے چل کر درویشزم بن جائے گا ۔

ہر بڑے شاعر اور ادیب کی نجی زندگی کے واقعات بھی اس کی شاعری پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اس میں سب سے زیادہ اثر ازدواجی زندگی کا ہو سکتا ہے ۔ اقبال کی ازدواجی زندگی خاصی حد تک ناخوشگوار رہی ۔ انھوں نے تین شادیاں کیں لیکن ساری عمر اُنھیں وہ خوشی اور سکون میسر نہ ہو سکا جس کے وہ متمنی تھے ۔ عطیہ بیگم فیضی کے خطوط میں ان کے ذہنی ہیجان کی ایک مکمل تصویر ملتی ہے :

''میں بیوی کی کفالت پر ہر وقت آمادہ ہوں لیکن اُسے اپنے پاس رکھ کر اپنی زندگی کو عذاب بنانے کے لیے تیار نہیں ہوں ۔ میری روح کی گہرائیوں میں اس قدر آگ بھری ہے کہ میں ان کتابوں کو اور ان کے ساتھ سماجی رسم و روایات کو بھی جلا کر خاکستر بنا سکتا ہوں'' ۔

اس کے برخلاف حسرت کی ازدواجی زندگی بہت ہی خوش گوار تھی ۔ حسرت نے دو شادیاں کیں ، لیکن ان کی پہلی بیوی نے ان کے لیے جو قربانیاں پیش کیں اس کی مثال بہت ہی کم ملتی ہے ۔ جب بھی اور جہاں بھی مولانا قید میں رہے اس پاکباز خاتون نے وطن سے دور جیل کے قریب ہی قیام کیا تاکہ شوہر کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو اور ذہنی سکون نصیب ہو ۔ ان کا انتقال ۱۹۳۷ میں ہوا اور حسرت ان کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور یہ عظیم خلا ان کی ساری زندگی میں پُر نہ ہو سکا ۔ بقول حسرت :

''خدا گواہ کہ راقم کے اس قول میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ ایثار و انکسار ، حیا و غیرت ، محبت و مروّت ، فہم و فراست ، جرأت و صداقت ، عزم و ہمت ، وفا و سخا ، حسنِ عقیدت ، صدقِ نیت و خلوص ، عبادت ، حسنِ خلق ، صحتِ مذاق ، پاکی و پاکیزی ، صبر و استقلال اور سب سے بڑھکر عشقِ رسول اور محبتِ حضرت حق کے لحاظ سے شاید مسلمان عورتوں بلکہ مردوں میں بھی آج ہندوستان میں بہت کم افراد ہوں گے جن کو ہم ان سے بہتر تو کیا ان کے برابر بھی قرار دے سکیں ۔''

مرحومہ کی یاد میں حسرت کی دو غزلیں بھی ملتی ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ مرحومہ سے حسرت کو کس قدر سچی محبت تھی ۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے :

عاشقی کا حوصلہ بے کار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر
کار و بار شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں
دل پہ ذوقِ شاعری بے کار ہے تیرے بغیر
دردِ دل جو تھا کبھی وجہ مباہات و شرف
بہرِ حسرت موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر

* * *

غیر ممکن ہے تیرے بعد ہوس دل کسی اور سے لگانے کی
اب وہ دل ہے نہ وہ ذخیرۂ شوق توڑ دوں کنجیاں خزانے کی
ان کے بعد اب وہ کیا ہوئی حسرت دل فریبی ترے فسانے کی

حسرت نے پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی کی لیکن وہ ذہنی یگانگت انھیں نصیب نہ ہو سکی ۔ بہرحال اس سلسلے میں حسرت اقبال سے بہت زیادہ خوش نصیب تھے اور اُن ذہنی اُلجھنوں سے بچے رہے جس سے اقبال ہمیشہ دو چار رہے ۔

اقبال اور حسرت شاعری کے میدان میں منفرد مقام رکھتے ہیں ۔ اقبال شاعر ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مصلح بھی تھے ۔ اس لیے انھوں نے نظم کے ذریعے قوم کو جگایا اور تمام قومی اور بین الاقوامی مسائل پر گہری نظر ڈالی ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انھوں نے غزل سے مکمل کنارہ کشی کی ۔ انھوں نے غزل کے دامن کو وسعت دی اور اس میں کئی ایسی باتیں بھی شامل کیں جس سے غزل ناآشنا تھی ۔ اقبال نے داغ دہلوی سے ابتدائے مشقِ سخن میں اصلاح لی اور یہی وجہ ہے کہ ان کی بعض غزلوں میں داغ کا رنگ جھلکتا ہے ۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں :

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

* * *

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں[۸]

* * *

بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی !
تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد مگر یہ بتا طرزِ انکار کیا تھی ؟[۹]

لیکن اقبال شاعر کے ساتھ ساتھ فلسفی بھی تھے - اس لیے ان کی غزلوں میں وہ لہجہ ، وہ لوچ ، وہ نزاکت اور وہ لطیف ایمائیت نہیں جو غزل کی روایت ہوتی ہے - "بانگِ درا" میں ستائیس ، "بالِ جبریل" میں ستتر اور "ضربِ کلیم" میں پانچ غزلیں ملتی ہیں ، لیکن ان میں زیادہ تر ان کے حکیمانہ افکار ملتے ہیں - اقبال نے شمع و پروانہ ، آشیاں و قفس ، ساقی و مے کی علامات ، جو پرانی غزل میں بار بار استعمال ہوئی ہیں ، سے استفادہ کیا ، بروے کار لایا ، لیکن انھوں نے علامتوں کو اپنے مخصوص معنی میں استعمال کیا اور اس طرح سے غزل کو ایک نیا اسلوب عطا کیا - ان میں مقصدیت کا پہلو زیادہ اُبھرتا ہوا نظر آتا ہے جس کی وجہ سے غزل کا مزاج مجروح ہوتا ہے - اقبال خود بھی ایک جگہ اس کمی کے معترف ہیں اور اپنے ایک شعر میں خود نشان دہی فرماتے ہیں :

نہ زباں کوئی غزل کی ، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دلکشا صدا ہو ، عجمی ہو یا کہ تازی ![۱۰]

حسرت غزل اور صرف غزل کے شاعر تھے - ان کا سارا کلام پڑھیے اور کہیں بھی دیگر اصنافِ شاعری سے ان کا فطری لگاؤ نہیں ملتا - وہ خود فرماتے ہیں :

عشق حسرت کو ہے غزل کے سوا نہ قصیدے نہ مثنوی کی ہوس

حسرت سیاست دان بھی تھے لیکن غزلوں میں کہیں بھی تلخی اور ذہنی نا آسودگی نہیں ملتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں یاس و

۸- ایضاً ، ص ۱۰۷ - ۹- ایضاً ، ص ۹۸ -
۱۰- "بالِ جبریل" (کلیاتِ اُردو) ، ص ۳۰۹ -

حزن کے بجائے تر و تازگی بدرجۂ اتم موجود ہے ۔ حسرت سے پیشتر اُردو غزل میں پستی ، لچر پن اور عریانی بہت عام ہو چکی تھی اور سنجیدہ و مہذب سوسائٹی اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی ، لیکن حسرت نے اپنے منفرد اظہار کے ذریعے تہذیبِ رسمِ عاشقی کو عیاں کیا ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حسرت نے اپنی پارسائی کے ذریعے غزل کا لہجہ ہی بدل ڈالا ۔ انھوں نے حسن کی دلکشیوں اور رعنائیوں کو رفعت و سنجیدگی بخشی اور اپنے مروجہ کلچر کے مطابق ڈھالا ۔ حسرت کے ہاں معشوق تصوری نہیں بلکہ ایک جیتا جاگتا گوشت پوست کا حامل انسان ہے ۔ حسرت کا معشوق بازاری اور طوائف کے کوٹھے والا نہیں بلکہ اُن کا معشوق وہ ہے جو اپنے گھر کے کوٹھے پر دوپہر کی دھوپ کی تمازت میں بھی اپنے عاشق کو بلانے کے لیے ننگے پاؤں چلا آتا ہے ۔ چونکہ حسرت کا عشق ذاتی مشاہدے کا نچوڑ ہے ، اس لیے وہ غیر مانوس تلمیحات کا سہارا نہیں لیتے ہیں اور کھل کر اپنے عشق کا برملا اظہار کرتے ہیں ۔ حسرت کے ہاں جنسی اشعار کی کمی نہیں لیکن ان میں ایک خاص تقدس اور طہارت کی موجودگی ہے جو انھیں داغ جیسے شعرا سے ممیز کرتی ہے اور عشق میں غیرت اور خود داری کا دامن آلودگی سے بچاتی ہے ۔ حسرت کی غزل میں مایوسی اور نا اُمیدی کا کہیں بھی پرتو نہیں ۔ جس طرح سیاست میں وہ کبھی مایوس نہیں ہوئے ، اسی طرح انھوں نے اپنی خانگی زندگی اور شاعری میں بھی ہمت و استقلال کا دامن تھامے رکھا ۔ حسرت کی غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ۔ پڑھیے اور لطف اُٹھائیے :

حسنِ بے پروا کو خود بیں و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

* * *

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

* * *

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی مرے شوق کی بلندی

* * *

اللہ رے جسمِ یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

* * *

سر کہیں بال کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں
ان کا سونا بھی ہے کس شان کا سونا دیکھو

* * *

تاثیرِ برقِ حسن جو ان کے سخن میں تھی
اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

* * *

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

* * *

دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

* * *

بزمِ اغیار میں ہرچند وہ بیگانہ رہے ہاتھ آہستہ مرا پھر بھی دبا کر چھوڑا

* * *

توڑ کر عہدِ کرم ناآشنا ہو جائیے بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے

* * *

تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا ہم سے پھر بھی ترا گلہ نہ ہوا

اقبال اور حسرت نے اپنی ساری عمر ایک قلندر اور مردِ درویش کی حیثیت میں گزاری ۔ اقبال اور حسرت نے جس زمانے میں اپنی زندگی کا آغاز کیا وہ انتہائی ہیجان انگیز تھا ۔ ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کے اثرات ابھی تک تازہ تھے اور غیر ملکی انگریز آقاؤں کے خلاف نفرت کا سیلاب ابھی تھمنے نہ پایا تھا ۔ سرکاری ملازمت کے مواقع میسر تھے لیکن خوددار اور غیرت مند نوجوان اس غلامی کے چنگل سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا چاہتے تھے تاکہ ذہنی سکون اور آزادیِ تحریر پر پابندی نہ لگ سکے ۔ اقبال نے ابتدائی زندگی میں گورنمنٹ کالج لاہور میں کچھ عرصہ ملازمت کی لیکن بعد میں انھوں نے کالج سے اپنا تعلق خود ہی ختم کر دیا کیونکہ ان کا

خیال تھا کہ ملازمت سے وابستگی کی بنا پر وہ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے تھے ۔ ملازمت سے بے تعلقی کے بعد انھوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور جو بھی مل جاتا اس پر قناعت کرتے تھے ۔ ان کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار انھوں نے نظام حیدر آباد کی حکومت کی جانب سے روانہ کردہ چیک واپس کر دیا اور ساتھ ہی ایک قطعہ بھی روانہ کیا کیونکہ جس فنڈ سے اور جس انداز میں یہ چیک مع مراسلہ روانہ کیا گیا تھا وہ اقبال کے لیے قابلِ قبول نہ تھا ۔ قطعہ کے اشعار ملاحظہ فرمائیے :

تھا یہ اللہ کا فرمان کہ شکوہِ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسنِ تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات
میں تو اس بارِ امانت کو اُٹھاتا سرِ دوش
کامِ درویش میں ہر تلخ ہے مانندِ نبات
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات[۱۱]

مہاراجہ کشن پرشاد ، سابق وزیرِ اعظم حیدر آباد ، سے اقبال کے مراسم بہت ہی گہرے تھے ۔ مہاراجہ اقبال کے پرستار اور اقبال مہاراجہ کے شیدائی تھے ۔ ایک بار ریاست حیدر آباد کے قیام کے دوران اقبال مہاراجہ کی شخصیت اور ان کے سلوک سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ واپسی پر ایک شکریہ کا خط روانہ کیا جس میں اُنھوں نے مہاراجہ کی تعریف میں انتالیس اشعار قلم بند کیے ۔ ان اشعار کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال اپنی خودداری کے باوجود حسنِ سلوک کا اظہار برملا کرتے تھے ۔ آخری شعر ملاحظہ کیجیے :

۱۱- ''ارمغان حجاز'' (کلیات اُردو) ، ص ۶۹۰ ۔

شکریہ احسان کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

اقبال کی زندگی کے آخری چند سال معاشی اعتبار سے انتہائی پریشان کن تھے ، لیکن علامہ نے صرف نواب بھوپال کی مالی اعانت پر اکتفا کی اور دوسری مالی پیش کشوں کو قبول نہ فرمایا ، کیونکہ ان کے خیال میں ایک فقیر آدمی کے لیے نواب صاحب کی مدد کافی تھی ۔

حسرت نے بھی ساری عمر ملازمت سے اجتناب کیا ۔ ان کے خیال میں انگریز کی ملازمت ایک گناہِ بے لذت تھی ۔ ایک بار انھیں وکٹوریہ کالج گوالیار میں ریاضی اور عربی کی پروفیسری کی پیش کش ہوئی لیکن مولانا نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

ہم قول کے صادق ہیں اگر جان بھی جاتی
واللہ کہ ہم خدمتِ انگریز نہ کرتے

حسرت کی خود داری کا یہ عالم تھا کہ اُنھوں نے نظام حیدر آباد میر عثمان علی خاں اور صدر جمہوریہ ہند سے بھی کوئی امتیازی سلوک نہیں برتا ۔ نظام حیدر آباد ایک مرتبہ حسرت سے ملنے کانپور تشریف لے گئے تو مردِ قلندر نے دنیا کے رئیس ترین آدمی کو ایک پوسیدہ بورے پر بٹھایا اور ایک عام آدمی کی طرح خاطر مدارات کی ۔ صدر جمہوریہ ہند کو ایک بار حسرت سے ملنے کا خیال آیا اور جب وہ حسرت کے گھر پہنچے تو وہ اپنے روزمرہ استعمال کے لیے نل سے پانی بھر رہے تھے ۔ صدرِ ہندوستان کی اطلاع پا کر اُنھوں نے اپنا کام جاری رکھا اور اس وقت ملاقات کی جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے ۔ ان واقعات سے حسرت کی خود داری اور غیرتِ نفس کا پتا چلتا ہے ۔

اقبال اور حسرت کے اس تقابلی مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر دو حضرات میں خاصی مماثلتیں پائی جاتی ہیں ۔ اقبال اور حسرت نے شاعری کے ساتھ ساتھ میدانِ سیاست میں بھی اپنا مقام پیدا کیا ۔ اقبال نے تصورِ پاکستان کو جنم دیا اور حسرت نے سب کچھ لٹا کر ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کی نہایت جرأت سے آخری وقت تک نمائندگی

کی اور انھیں نامساعد حالات میں جینے کا حوصلہ سکھایا ۔ جہاں تک سوشلزم اور کمیونزم کا تعلق ہے ان ہر دو حضرات میں ذہنی قربت ملتی ہے ۔ انقلابِ روس اور مارکسی تعلیمات کا اثر اُنھوں نے قبول کیا ، لیکن اسلامی تعلیمات کے غلبے نے انھیں صرف نظریاتی حدود تک محدود رکھا ۔ اقبال اور حسرت کو مسلمانوں کی بقا اور خوش حالی اسلام اور اتباعِ رسولؐ میں نظر آتی تھی اور سوشلزم سے ذہنی قربت اس لیے نمایاں تھی کہ اس فلسفے کے کئی بنیادی اصول سوائے مذہب کے کافی حد تک ہم آہنگ تھے ۔ اقبال اور حسرت پیغمبرِؐ اسلام کے عاشقِ صادق تھے اور دین و دنیا کے ہر معاملے میں حضورؐ کی ذات سے رہنمائی حاصل کرنا ان کے لیے ایک امرِ لازمی اور جزوِ ایمان تھا ۔ اقبال اور حسرت کے کلام میں سادگی اور سلاست ملتی ہے ۔ اقبال فلسفی تھے لیکن اُنھوں نے عام قاری کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور حسرت نے تو شعر کی تعریف ہی یوں کی :

شعر در اصل ہیں وہی حسرت　　سنتے ہی دل میں جو اُتر جائیں

ان دونوں حضرات کے ہاں تشبیہات ، استعارے اور نازک بیانی ملتی ہے ، لیکن کہیں بھی ابہام اور پیچیدگی کا گزر نہیں اور یہی وہ خوبی ہے جو ان کے کلام کی مقبولیت کا سبب بنی اور انھیں شہرتِ دوام عطا کی ۔ اقبال نے نہ صرف اُردو نظم کے دامن کو ہر قسم کے ملی اور بین الاقوامی مسائل سے مالا مال کیا بلکہ اُنھوں نے غزل کو بھی نئے تجربات سے ہم کنار کیا اور ایک نیا غیر روایتی لہجہ عطا کیا ۔ حسرت نے غزل کی گرتی اقدار کو سنبھالا دیا اور ایک مہذب سوسائٹی میں سننے اور پڑھنے کے قابل بنایا ۔ اس طرح ان ہر دو حضرات نے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے اُردو شاعری میں ایک منفرد مقام حاصل کیا ۔ اقبال نے اپنے اشعار سے خودی اور خود داری کے اچھوتے مفہوم سے آشنا کروایا اور اگر حسرت کی نجی و سیاسی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں وہ اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر نظر آتے ہیں :

ترا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اقبال اور حسرت کی شاعری کا مطالعہ کیجیے اور ان کی زندگی پر نظر ڈالیے تو ہمیں کہیں بھی مایوسی اور قنوطیت کے آثار نہیں ملتے ۔ ان کی شاعری اور نجی زندگی میں رجائیت کا پہلو نمایاں ملتا ہے اور بار بار جہدِ مسلسل ، استقامت اور اولوالعزمی کی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

اب آخر میں صرف ایک سوال تشریح طلب رہ جاتا ہے اور وہ ان کے مقام کا تعین ہے ۔ اقبال کی شاعری میں ہمہ گیریت اور آفاقیت کا عنصر بدرجۂ اتم موجود ہے ۔ ان کے ہاں مضامین کا تنوع ، خیالات کی رفعت اور اچھوتے موضوعات کا بحرِ ذخار ملتا ہے جس نے انھیں صفِ اوّل کے شعرا میں جگہ دلوائی ۔ حسرت غزل اور صرف غزل کے شاعر تھے ۔ ان کی شاعری کا دائرہ محدود ہے لیکن اپنے محدود دائرے میں رہ کر اُنھوں نے اُردو غزل کو ایک لافانی مقام دلوایا اور کلاسیکیت و جدیدیت کے سنگم پر لا کھڑا کیا ، اور یہی ان کا احسانِ عظیم ہے ۔ حسرت کی زندگی درویشانہ اور قلندرانہ تھی ۔ اپنی ساری زندگی میں اُنھوں نے کبھی بھی اپنی عظمت و شخصیت کا لوہا منوانے کی کوشش نہیں کی اور یہی ان کی عظمت کا سب سے بڑا راز ہے ۔